غزل (مومن خان مومن)

تعارف

حکیم مومن خان نے مومن اگرچہ سبھی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، مگر انہیں اصل شہرت غزل گوئی کے باعث ملی ہے جس میں ان کے ذاتی اور انفرادی جذبات کا لہو دوڑ رہا ہے۔ وہ خالص غزل کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں دوسرے شاعروں کی طرح زندگی، کائنات، اخلاق، فلسفہ اور ایسے ہی دیگر مسائل نہیں ملتے بلکہ ان کی شاعری ناز وادا کی مصوری ہے، رشک ور قابت کے جذبات کی عکاسی ہے، وارداتِ حسن وعشق کا تذکرہ ہے، معاملہ بندی ہے۔ غرض کہ محبت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی ترجمانی انہوں نے نہ کی ہو۔ وہ اردو کے ان گنتی کے چند شاعروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزل کی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے اور اس کے باوجود حیرت انگیز کامیابی اور شہرت حاصل کی ہے۔

مومن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حسن وعشق کی تمام رعنائیوں کو اپنے اشعار کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اگرچہ اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی معاملات ومسائل کا ہلکا سا عکس بھی ان کے ہاں نہیں ملتا۔ اس کے باوصف ان کی غزل اردو شاعری کی آبرو اور وقار ہے۔ ان کی غزل میں ان کی اپنی زندگی کے گونا گوں اوصاف دُرہائے آب دار کی طرح چمکتے ہیں۔ اور ایک طبیب کی طرح حسن وعشق کے نبض شناس ہیں، وہ اپنے خیالات کے اظہار میں نفاست پسند اور وضع دار نوجوان کی طرح شائستہ اور مہذب ہیں، وہ جس طرح شطرنج کے مہروں، سیارگان کی چالوں اور موسیقی کے اسرار ورموز کے ماہر ہیں، اسی طرح اپنے خیالات اور انداز بیاں کی پیچ در پیچ گھاٹیوں کو خوش اسلوبی سے طے کر لیتے ہیں جس طرح ان کی زندگی ایک درویش مزاج، قناعت پسند انسان کی طرح ہے، اسی طرح ان کا کلام بھی ایک درویشانہ شان کا حامل ہے روایت کے دائرے میں رہتے ہوئے انہوں نے غزل کو وہ توانائی اور رعنائی بخشی ہے جو صرف انہی کا حصہ ہے اور غزل کو وہ لب ولہجہ دیا ہے جو صرف انہی سے خاص ہے اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مومن غزل اور صرف غزل کے شاعر ہیں یہ ایک حقیقت کا اعتراف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت کا اعتراف بھی ہے۔

شعر نمبر ا:

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا

رنج راحت فزا نہیں ہوتا

تشریح: مومن خان مومن نے اس شعر میں (جو غزل کا مطلع ہے) محبوب کی سنگ دلی کا مضمون باندھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے محبوب کے عشق میں طرح طرح کے مصائب وآلام برداشت کیے ہیں۔ میں نے محبوب کے اور محبوب کی وجہ سے دنیا میں ہزاروں ظلم وستم سہے ہیں۔ میں نے محبوب کی خاطر زمانے بھر کی اذیتیں، ملامتیں، تہمتیں، رسوائیاں اور بدنامیاں برداشت کی ہیں میں نے وفا کی لاج رکھنے کی خاطر محبوب کی جفاؤں پر جفائیں جھیلی ہیں۔ میں نے ناموس عشق کی پاسداری کے لیے دکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑ سہے ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے سہا اور برداشت کیا ہے کہ محبوب کے دل میں میری وفاؤں میری قربانیوں میری جان نثاریوں کا اثر ہو، وہ میرے جذبہ عشق کی صداقت کا، میری محبت کے اخلاص کا، اور میری وفاؤں کی دیانت کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے اپنی قربت سے شاد کام کرے۔ بقول شاعر:۔

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

اس کے فرقت کہ غم اور دکھ برداشت کرتے ہوئے میں نے دنوں نہیں مہینوں دن کو آہ وزاری اور راتوں کو اختر شماری کی ہے۔ میں نے محبوب کی بارگاہ میں بار بار التجائیں اور فریادیں کی ہیں کہ میرے غمِ فرقت کا مداوا کرے اور مہربان ہو کر میرے رنج کو راحت سے بدل دے۔ مگر محبوب ایسا بے رحم اور سنگدل واقع ہوا ہے کہ نہ تو اس پر میری فریادوں اور التجاؤں کا اثر ہوتا ہے اور نہ میری وفاشعاریاں اسے متاثر کرتی ہیں، وہ نہ میری قربانیوں کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ میری جان نثاریوں کو لائق التفات سمجھتا ہے۔ اس کی یہ سنگ دلی بے نیازی اور بے رخی میرے غم میرے دکھوں اور میری تکلیفوں کو اور بڑھانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر وہ مجھ پر قربان ہو جائے تو میرا رنج راحت میں تبدیل ہو سکتا ہے میرا دکھ میرے لیے سکھ کا پیغام لا سکتا ہے اور میرا غم میرے لیے خوشی کی نوید بن سکتا ہے، مگر محبوب کی سنگدلی کی وجہ سے میرا رنج راحت پیدا کرنے کا باعث نہیں بنا میرا دکھ میرے لیے سکھ کی تمہید نہیں بنتا اور میرا غم میرے لیے خوشی کی کلید ثابت نہیں ہوتا۔

شعر نمبر ۵:

بے وفا، کہنے کی شکایت ہے

تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

اردو غزل میں محبت، وفا، اور جذبات کی نزاکت کو جس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے، وہ اردو ادب کا خاصہ ہے۔ مومن خان مومن کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف غزل کی فنی خوبصورتی کو نکھارا بلکہ دل کی بات دل سے کہی۔ اس شعر میں مومن ایک اہم اخلاقی و جذباتی مسئلہ بیان کرتے ہیں۔

شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تمہیں اس بات کی شکایت ہے کہ میں نے تمہیں بے وفا کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے کبھی وعدہ پورا ہی نہیں کیا۔ یعنی تم میری زبان سے نکلے ہوئے لفظ "بے وفا" پر ناراض ہو، مگر تم نے جو وفا کا وعدہ کیا تھا، وہ خود تم نے نہیں نبھایا۔ شاعر اس شعر میں محبوب کی بے وفائی کو بے نقاب کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم واقعی وفا کرتے، تو میں تمہیں بے وفا کیوں کہتا؟ تمہاری ہی وفا شکنی نے مجھے ایسا کہنے پر مجبور کیا۔

یہاں شاعر ایک اخلاقی تضاد کو بے نقاب کرتا ہے: محبوب کو صرف اپنی "بدنامی" یا "محبت کی توہین" کا احساس ہے، جبکہ وہ خود وفا کا معیار پورا نہیں کرتا۔ یہ شعر نہ صرف یہ عاشق کے دل کی پکار ہے، بلکہ ایک سماجی اور انسانی رویے کی عکاسی بھی ہے کہ اکثر لوگ اپنی کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے ردعمل پر ناراض ہوتے ہیں۔

شعر اردو غزل کی کلاسیکی روایت میں آتا ہے جہاں وفا، عشق اور شکوہ بنیادی موضوعات ہوتے ہیں۔ اس میں سوال بھی ہے اور جواب بھی، شکایت بھی ہے اور دلیل بھی جو اسے فنی اعتبار سے مکمل بناتا ہے، یہ شعر اردو شاعری کی اس خوبصورت روایت کا حصہ ہے جہاں عاشق، شکایت کے باوجود محبت میں نرمی اور تہذیب کو قائم رکھتا ہے۔ یہاں شکوہ بھی ہے، اور درد بھی، اسی درد کو ایک اور جگہ پروین فناسیدیوں بیان کرتی ہیں:۔

تم ہی واقف نہ تھے اندازِ جفا سے ورنہ

ہم نے ہر ظلم کو ہنس ہنس کے سہارا ہوتا

شعر نمبر ۳:

ذکرِ اغیار سے ہُوا معلوم

حرفِ ناصح بُرا نہیں ہوتا

تشریح: مومن خان مومن نے اس شعر میں غزل کے روایتی ناصح کو روایت سے بالکل ہٹ کر ایک اور ہی رنگ میں پیش کیا ہے۔ شاعری کی عام روایت کے مطابق ناصح اپنی نصیحتوں سے عاشق کو عشق سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے مگر عاشق اس کی نصیحتوں پر بالکل کان نہیں دھرتا مگر مومن نے اس شعر میں ناصح کی ایک بالکل مختلف تصویر پیش کی ہے۔ ناصح اپنی عادت کے مطابق انہیں سمجھاتا ہے کہ میاں! عقل و ہوش سے کام لو اور اپنے آپ کو طرح طرح کی مصیبتوں میں نہ ڈالو۔ عشق تو آدمی کو ذلیل وُرسوا کر کے چھوڑتا ہے، عاشق کو در در کی ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں، سارے جہاں کی لعنتیں اور ملامتیں سہنی پڑتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محبوب کے جور و جفا اور ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ سارے جہاں کی ملامتوں اور محبوب کے جور و جفا کا نشانہ بننے کے بعد بھی عاشق کو محبوب کا وصل نصیب نہیں ہوتا کیونکہ محبوب تو سخت ہرجائی واقع ہوا ہے، وہ عاشق کو تو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھتا ہے مگر رقیبوں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آتا ہے، وہ عاشق کو تو اپنی اداؤں کے دامِ دلفریب میں الجھائے رکھتا ہے مگر رقیبوں کے حال پر برابر عنایات کرتا ہے۔ اس طرح تم دنیا کی نظروں میں ایک تماشا بنے رہو گے اور تمہارے رقیب محبوب کی قربت کے مزے لوٹتے رہیں گے۔ مومن کہتے ہیں کہ میں نے ناصح کی ان نصیحتوں کو کبھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا تھا مگر ایک بار ایسا ہُوا کہ محبوب سے ملاقات کے دوران، محبوب نے اغیار یعنی میرے رقیبوں کا ذکر اپنائیت بھرے لہجے میں کر دیا۔ عاشق کو تو یہ بات گوارا ہی نہیں ہو سکتی کہ محبوب کی زبان پر اس کے سوا کسی اور رقیب کا نام آئے خواہ یہ نام لبِ محبوب پر شکایت ہی کے انداز میں کیوں نہ آیا ہو۔ چنانچہ محبوب کی زبان سے رقیبوں کا ذکر سُن کر ایک دم مجھے ناصح کی باتیں یاد آئیں اور مجھے معلوم ہوا ناصح کی نصیحتیں ہمیشہ بری نہیں ہوتیں کبھی کبھی وہ کام کی باتیں بھی کہہ جاتا ہے اور اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس نے مجھے جو نصیحت کی تھی وہ، غلط نہیں تھی۔ محبوب واقعی رقیبوں پر مہربان ہے اور مجھے اس نے اپنی اداؤں کے جال میں الجھا کر تماشا بنا رکھا ہے۔

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے

کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

ایک اور جگہ شاعر نے اسی موضوع کو یوں بیان کیا ہے:۔

ہنستے جو دیکھتے ہیں جو کسی کو کسی سے ہم
منھ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

شعر نمبر ۴:

تم ہمارے کس طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا!

تشریح: مومن خان مومن نے اس شعر میں ایک روایتی شاعرانہ موضوع یعنی عاشق کی ناکامی و نامرادی کو بیان کیا ہے۔ وہ محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے محبوب! ہم نے تمہارے عشق میں طرح طرح کے آلام و مصائب برداشت کئے ہیں۔ تمہاری خاطر ہم نے دنیا کے ہزاروں ظلم و ستم سہے ہیں تمہاری خاطر ہم نے زمانے بھر کی اذیتیں، مصیبتیں، ملامتیں، تہمتیں اور رسوائیاں برداشت کی ہیں۔ تمہاری وفا کے لیے ہم نے جفاؤں پر جفائیں جھیلی ہیں۔ تمہارے عشق کی لاج رکھنے کے لیے ہم نے دکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑ سہے ہیں۔ تمہارے عشق میں ہم نے کڑی سے کڑی آزمائشوں کو برداشت کیا ہے اور تمہاری خاطر ہم سخت امتحانوں سے گزرے ہیں تمہاری خاطر ہم نے ہر غم اور ہر چوٹ حوصلے سے سہی ہے ۔

سینے سے لگایا ہے ہر اک غم تری خاطر
ہر چوٹ ترے پیار میں ہنس ہنس کے سہی ہے

(محمد یونس حسرت)

مگر دنیا جہاں کے یہ سارے جتن کرنے کے باوجود تم ہمارے کسی طرح بھی نہ ہوئے۔ ہماری ساری وفائیں بے کار گئیں، ہماری ساری قربانیاں رائیگاں گئیں اور ہماری ساری جاں نثاریوں کا حاصل ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اسے ہم اپنے مقدر کی سختی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں ورنہ اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اس دنیا میں تو بظاہر ناممکن سے ناممکن کام بھی انجام پا جاتے ہیں، اور وہم و گماں میں نہ آنے والی باتیں بھی حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں مگر ہم شاید اتنے تہی قسمت تھے جو اپنی ساری کوششوں کے باوجود بھی تمہیں حاصل کرنے اور اپنا بنانے میں ناکام رہے۔

شعر نمبر ۵:

ایک دشمن، کہ چرخ ہے، نہ رہے
تجھ سے یہ، اے دعا نہیں ہوتا

یہ شعر ایک گہری اور پُراثر دعا اور شکوہ پر مبنی ہے، اور انداز غالب جیسے کلاسیکی شعرا کے اسلوب سے ملتا ہے۔

یہ شعر انسانی فطرت میں موجود مایوسی، بے بسی اور دعا کی طاقت پر سوال اٹھانے والے احساسات کو بیان کرتا ہے۔ "چرخ" یعنی زمانہ، تقدیر، گردشِ فلک یہ تمام علامات انسان کے خلاف چلنے والی غیر مرئی طاقتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

شاعر کہتا ہے کہ چرخ (یعنی وقت) اس کا دشمن بن چکا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ یہ دشمن باقی نہ رہے۔ مگر افسوس، اس کی سب سے بڑی امید "دعا" بھی اتنی طاقتور نہیں کہ اس دشمن کو ختم کر سکے۔ یہ شعر ایک ایسے شخص کی فریاد ہے جو زندگی کی سختیوں، دنیا کے ظلم، اور وقت کی بے رحمی سے تھک چکا ہے۔ اس کا واحد سہارا "دعا" ہے، مگر جب وہی دعا بے اثر ہو جائے تو انسان کی مایوسی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

یہ شعر اس وقت اور معاشرتی حالات کی بھی عکاسی کرتا ہے جب دعا اور امید کی طاقت کو زوال کا سامنا ہوتا ہے۔ دعا وہ ذریعہ ہے جس سے انسان خدا سے جڑتا ہے، مگر جب دعا بھی قبول نہ ہو تو انسان کی روحانی کیفیت شدید متاثر ہوتی ہے۔ یہ شعر تصوف اور فلسفۂ تقدیر سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اس میں دعا اور چرخ دونوں کو شخصی حیثیت دی گئی ہے، جو ایک تمثیلی اندازِ بیان ہے۔ اس کی معنویت نہ صرف کلاسیکی دور، بلکہ آج کے انسان کے لیے بھی قابل غور ہے۔

شعر نمبر ۶:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تشریح: مومن خان مومن کا یہ شعر ان کے خوب صورت ترین شعروں میں سے ایک ہے جس کی داد دیتے ہوئے مرزا غالب جو کسی کو خاطر میں نہ لانے والے شاعر ہیں ،نے بھی بے ساختہ یہ الفاظ کہے تھے کہ "کاش مومن میرا سارا دیوان لے لیتے اور یہ شعر مجھے دے دیتے"۔ مومن نے اس شعر میں محبوب کے تصور کا مضمون باندھا ہے ۔اگرچہ یہ مضمون اور بہت سے شاعروں کے ہاں ملتا ہے مگر جس سادگی اور پُرکاری کے ساتھ مومن نے اسے بیان کیا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ جو سہل ممتنع کی خوب صورت مثال ہونے کے ساتھ ساتھ جدتِ بیان کا شاہکار بن گیا ہے۔ وہ محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب! جب میں اکیلا ہوتا ہوں، جب میرے پاس کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہوتا، اس وقت تمہارا تصور مرے پاس آبیٹھا ہے، اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم خود میرے پاس آبیٹھے ہو۔ میں تمہارے تصور سے اس طرح باتیں کرتا ہوں جیسے واقعی تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ مجھے دوسروں کی مانند محبوب سے شکوہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ :

تصور میں چلے آتے، تمہارا کیا بگڑتا تھا

تمہارا پردہ رہ جاتا، ہمیں دیدار ہو جاتا

بلکہ میرا عالم تو یہ ہے کہ دنیا کی نظروں میں تو خلوت نشین ہوتا ہوں مگر میری بزمِ خلوت تمہارے تصور کی بدولت میرے لیے بزم جلوت بن جاتی ہے اور میں تمہارے جلووں سے اسی طرح شاد ہوتا ہوں جس طرح کہ تمہاری بزم میں اور تمہارے روبرو بیٹھ کر میری آنکھیں تمہارے جلووں کے دیدار سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ میرا یہ عالم تصور، کیفیات اور جزئیات کے لحاظ سے اتنا مکمل اور اتنا تفصیلی ہوتا ہے کہ مجھے تمہارے تصور پر تمہاری موجودگی کا گمان ہوتا بلکہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ تمہیں روبرو دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس وقت میرے پاس کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہوتا اس وقت تمہارا تصور میرے پاس اسی طرح موجود ہوتا ہے گویا کہ تم خود میرے پاس موجود ہو۔

شعر نمبر ۷:

حال دل یار کو لکھوں کیوں کر

ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا!

تشریح: مومن خان مومن نے اس شعر میں اپنے دل کی بے چینی و بے قراری اور اضطراب و اضطرار کا ایک نہایت سادہ مگر پرکار اور اثرانگیز موضوع پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محبوب نے ہمیں جس طرح دکھوں پر دکھ اور غموں پر غم دیے ہیں، اس کے باعث ہمارا دل مسلسل دکھی اور غمگیں رہتا ہے محبوب نے ہم پر جو جو جفائیں کی ہیں، جو جو ظلم و ستم کئے ہیں اور جس طرح بہانے بہانے سے ہمیں اپنی قربت سے محروم رکھا ہے اس سے ہمارا دل برابر غم واندوہ کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ محبوب نے ہمیں جس طرح ستایا، جلایا اور رُلایا ہے، اس کی وجہ سے ہمارا دل اضطراب و اضطرار کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے محبوب نے ہمیں جس طرح جدائی کا کرب بخشا ہے، اس کی وجہ سے ہمارا دل مسلسل غم فرقت کی آگ میں جلتا ہے اور ہماری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو بھی غم فرقت کی اس آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے بلکہ اس آگ کو اور بھڑکانے کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ دل کے مسلسل اضطراب اور بے چینی و بے قراری کے باعث ہمارا ہاتھ برابر دل پر رہتا ہے اور کسی لمحے کے لیے بھی ہمارا یہ ہاتھ دل سے الگ نہیں ہو پاتا۔ ہمارا دل محبوب سے جدائی کے غم میں اس بری طرح لرزتا، دھڑکتا اور پھڑکتا ہے کہ ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ جیسے ہی ہم نے اپنا ہاتھ دل سے ہٹایا، ہمارا دل سینے کی قید سے باہر نکل کر آزاد ہو جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی اس حالتِ راز سے اپنے محبوب کو آگاہ کریں کہ شاید ہماری حالت زار کا حال دیکھ کر اسے ہم پر رحم آجائے اور وہ ہمارا حال دیکھنے چلا آئے مگر المیہ تو یہ ہے کہ ہم محبوب کو اپنے دل کا حال لکھیں تو کیسے لکھیں؟ لکھنے کے لیے ہمارے ہاتھ کا فارغ ہونا ضروری ہے اور عالم یہ ہے کہ وہ ایک پل کے لیے دل پر نہ ہو تو دل ٹھکانے پر نہیں ہوتا اور ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ اگر ہمارا ہاتھ تسلی اور تسکین کے لیے دل پر نہ ہو تو دل پر نہ جانے کیا کچھ گزر جائے اور وہ کیا قیامت برپا کر دے۔ چنانچہ ہمیں نہ اپنا حال دل لکھنے کا موقع ملتا ہے اور نہ ہمارے حال دل کی خبر محبوب کو ہو پاتی ہے مرزا غالب نے بھی یہی مضمون اس طرح ادا کیا ہے

درد دل لکھوں کیونکر؟ جاؤں ان کو دکھلاؤں

انگلیاں فگار اپنی، خامہ خُونچکاں اپنا

لیکن یہ حقیقت ہے کہ سادگی و پُرکاری میں مومن کا شعر آپ اپنا جواب خود ہے۔

شعر نمبر ۸:

کیوں سُنے عرضِ مضطرب مومن
صنم آخر خُدا نہیں ہوتا

تشریح:۔ مومن خان مومن کے اس شعر میں (جو غزل کا مقطع ہے) محبوب کی سنگدلی کا مضمون باندھا ہے۔استعارے کے طور پر محبوب کو صنم کہتے ہیں اور صنم پتھر کے بت کو کہا جاتا ہے۔ پتھر کے بت کے سینے میں چونکہ دل کی جگہ بھی پتھر ہی ہوا ہے، اس لیے سنگ دلی اس کی ایک خصوصیت قرار پاتی ہے۔ محبوب چونکہ اپنے عشاق کی التجاؤں، آرزوؤں اور خواہشات کو بے دردی سے ٹھکراتا رہتا ہے، اس لیے وہ اسے بُت کی طرح سنگ دل قرار دیتے ہیں جو اپنے چاہنے والوں کی درخواستوں، خواہشات ارمانوں اور آرزوؤں سے یکسر بے نیازی برتتّا ہے نہ اسے کسی عاشق کی بے چینی و بے قراری متاثر کرتی ہے اور نہ وہ کسی کی حالت زار دیکھ کر مائل بہ کرم ہوتا ہے۔ مومن خان مومن محبوب کی یہ ساری کیفیات دیکھتے ہیں اور ان کیفیات کو دیکھ کر ان کا دل کُڑھتا بھی ہے مگر ایک سچے عاشق کی طرح وہ محبوب کے حسن و جمال کا احترام کرتے ہیں اور اس کے کسی عیب، خامی یا بُرائی پر انگلی اٹھانے کی بجائے ایک شائستہ اور مہذب عاشق کی طرح اس کا جواز بڑے سلیقے سے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ جواز پیش کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ آخر محبوب کسی بے چین و بے قرار عاشق کی مضطربانہ التجائیں سُنے تو کیوں سُنے؟ وہ کسی عاشق کی حالتِ زار سے متاثر ہو تو کیوں ہو؟ محبوب تو صنم یعنی بت ہوتا ہے اور بُت جو چاہے کچھ ہو مگر خدا نہیں ہوتا لوگوں کی التجائیں اور درخواستیں سننا اور انہیں پذیرائی بخشنا تو خُدا کا کام ہے، محبوب کا ہرگز نہیں وہ آخر اپنے عاشق کی التجائیں، سُنے تو کیوں سُنے؟ وہ تو بت ہے خُدا تو نہیں!